''روشن خیال'' تعلیم

سلیم منصور خالد

یوں تو کسی بھی ملک کے لیے تعلیمی نظام کی اہمیت مسلّمہ ہے لیکن ایک نظریاتی مملکت کے لیے تو تعلیم کی فکری جہت اور اس کے معیار کو، وہی حیثیت حاصل ہے جو انسانی جسم میں ریڑھ کی ہڈی کی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامِ پاکستان سے قبل اور اس کے قیام کے فوری بعد قائداعظمؒ نے اس بات کو بخوبی اُجاگر کیا کہ پاکستان کا نظامِ تعلیم کیا ہوگا اور تعلیمی پالیسی کی تشکیل میں کیا تعلیمی اہداف و مقاصد پیشِ نظر رکھے جائیں گے۔ اس کا ایک بھرپور اظہار انھوں نے، اپنی گرتی ہوئی صحت کے باوجود، پاکستان تعلیمی کانفرنس منعقدہ ۲۷ نومبر تا یکم دسمبر ۱۹۴۷ء کے موقع پر کیا۔ کانفرنس میں وہ خود شریک نہ ہو سکے مگر اپنے پیغام میں پاکستان کے تعلیمی نظام کے خدوخال بخوبی واضح کر دیے تاکہ صحیح خطوط پر نظامِ تعلیم تشکیل پا سکے۔

المیہ یہ ہے کہ آج نصف صدی بعد پاکستان کے تعلیمی اداروں میں قائداعظم کے افکار سے کھلم کھلا انحراف کیا جا رہا ہے اور جو کچھ پیش کرنے کی کوشش ہو رہی ہے، وہ مملکتِ پاکستان کے بنیادی نظریے سے صریحاً متصادم ہے۔ اس ضمن میں چند پہلو ملاحظہ کیجیے: لڈی ڈانس، بھنگڑے، گانے بجانے، میراتھن ریس، مینا بازاروں، تلک لگانے اور بسنت منانے کے ساتھ بڑے تواتر، اور کثرت کے ساتھ محافل موسیقی (میوزک شو) کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ جنرل مشرف کہتے ہیں: مجھے موسیقی پسند ہے۔ میں کلاسیکل پاپ موسیقی پر نوجوانوں کے ساتھ جھوم سکتا ہوں، دنیا میں پاکستان کا نرم تاثر (soft image) پیدا کرنے کے لیے موسیقی اور ثقافت [غالباً مغربی اور ہندووانہ] کا

سہارا لینے کی ضرورت ہے۔ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۰ء کے دوران آرٹسٹوں کو نظرانداز کیا گیا' جس کے باعث انتہاپسندوں نے ہمارے [؟] بارے میں قائم نرم تاثر کو ملیامیٹ کر دیا''۔ (روزنامہ نواے وقت' لاہور' ۱۷ مئی ۲۰۰۶ء)

پاکستان بنانے والوں نے تو یہاں کے طالب علموں کی شخصیت کو ایک متوازن اور صحت مند انسان بنانے کے لیے پہلی کُل پاکستان تعلیمی کانفرنس (نومبر' دسمبر ۱۹۴۷ء) کی قرارداد نمبر ۴ میں ایک مختلف لائحہ عمل دیا تھا' مگر وہ فرد جو قیامِ پاکستان کے وقت چار سال دو ماہ کا کم سن بچہ تھا' آج اسی قوم کی ملازمت کے دوران اختیارات کی امانت کا ناجائز استعمال کر کے حکمران بننے کے بعد اپنی اس قوم کو کسی اور ہی منزل تک پہنچانا چاہتا ہے۔ موصوف کے وزیرِتعلیم بھی ایک ریٹائرڈ جرنیل ہیں اور قوم کو للکار کر کہتے ہیں: ''ہم پاکستان میں اتاترک کا نظامِ تعلیم لائیں گے''۔ جنرل موصوف غالباً نہ اتاترک سے واقف ہیں اور نہ وہ نظامِ تعلیم و تعلّم کا حدود اربعہ جانتے ہیں۔ اُن کی شہرت فقط یہ ہے کہ وہ اپنے نامۂ اعمال میں فرسودہ ریلوے انجنوں کی سوداکاری کا ریکارڈ رکھتے ہیں۔

پاکستانی نظامِ تعلیم کی تشکیل کے حوالے سے پہلی قومی کانفرنس میں جو قرارداد منظور کی گئی تھی' اس میں تو نسلِ نو کو جسمانی تربیت دینے اور دفاعی صلاحیت پیدا کرنے کے مجاہدانہ کردار کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا۔ لیکن جنرل ضیاالحق کے دور میں نجی شعبے کو جو آزادی ملی اور نجی شعبے' بالخصوص بیکن ہاؤس سسٹم وغیرہ نے برگ و بار لانا شروع کیے تو سوچا گیا کہ چونکہ نجی شعبہ اپنے محدود کیمپسوں میں نیشنل کیڈٹ کور کی تربیت کا اہتمام نہیں کرسکتا' اس لیے جو لڑکے' لڑکیاں لازمی فوجی تربیت سے ۲۰ نمبروں کا فائدہ اٹھا رہے ہیں' اُن سے یہ تھوڑا سا امتیاز بھی چھین لیا جائے (اور انٹری ٹیسٹ کے نام پر مخصوص طبقوں کو آگے بڑھنے کی مزید سہولت بہم پہنچائی جائے)۔ یوں ۱۹۹۷ء میں نواز شریف صاحب کی حکومت نے تعلیمی اداروں سے این سی سی کے خاتمے کا اعلان کیا اور اب 'پاکستانی اتاترک' نے قوم کی رگوں سے جہاد' تربیت اور قومی جذبے کی اُمنگ کو کھرچ دینے کے لیے راگ' رنگ اور مستی کی لہر کے ساتھ مخلوط و بے باک کلچر کی ترویج کو ترقی قرار دیا۔

طلبہ و طالبات کے لیے مخلوط میراتھن ریس کے پروگرام کو دیکھیے: گوجرانوالہ کے ایگزیکٹو ڈسٹرکٹ افسر (تعلیم) نے ضلع بھر کے طلبہ و طالبات کے کالجوں کے پرنسپلوں کو اپنے خط (مورخہ

۳۱ مارچ ۲۰۰۵ء) میں حکم دیا: ''وزیراعلیٰ پنجاب کی ہدایات کے مطابق منی میراتھن ریس ۲۰۰۵ء' ۳ اپریل ۲۰۰۵ء کو گوجرانوالہ اسٹیڈیم میں منعقد ہوگی۔

- پہلا مرحلہ: تین کلومیٹر' مرد' ۹ بجے صبح اور تین کلومیٹر' عورتیں' ۹ بج کر ۱۵ منٹ صبح قائداعظم ڈویژنل پبلک اسکول' جی ٹی روڈ سے ریس شروع کریں گے۔
- دوسرا مرحلہ: ۱۰ کلومیٹر' مرد' ۱۰ بجے صبح۔ ۱۰ کلومیٹر' عورتیں۔ ۱۰ بج کر ۱۵ منٹ صبح قائداعظم ٹاؤن' علی پور بائی پاس سے شروع کریں گے۔

آپ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اپنے تدریسی عملے [خواتین اور مردوں] نیز اپنے کالج کے طالب علموں [لڑکوں' لڑکیوں] کو لے کر میراتھن ریس کے مقام آغاز پر پہنچ جائیں۔ آپ (سرکاری ملازموں) کی حاضری' گوجرانوالہ جناح اسٹیڈیم میں ریس کے آغاز اور ریس کے اختتام پر لگائی جائے گی۔

پاکستان بنانے والی مسلم لیگ ۱۹۴۷ء میں نسلِ نو کی تعمیرِ ذات کے لیے ایک الگ لائحہ عمل رکھتی تھی' جب کہ آج کی مسلم لیگ یہ راستہ اختیار کر رہی ہے جس میں اسکولوں اور کالجوں کی لڑکیوں کو تین سے دس کلومیٹر تک شہر کی سڑکوں پر دوڑایا جائے۔ یہ کون سی تعلیم اور کون سی صحت مند سرگرمی ہے! یہ صحت مند سرگرمی سے زیادہ' پاکستان کو ''اسلام کی دقیانوسی'' چادر سے نکال کر روشن خیالی کے اسٹیڈیم میں لانے اور تماش بینی کا بندوبست ہے۔

پاکستان کے نظامِ تعلیم کو آغا خان فاؤنڈیشن کے ادارے آغا خان بورڈ کے حوالے کرنے کا فریضہ انجام دینے والے جنرل مشرف اور ان کے وزیرِ تعلیم بعض اوقات حاکمانہ لہجے میں فرماتے ہیں: ''ہم آغا خان بورڈ کو جاری و ساری کر کے دکھائیں گے''۔ اگر واقعی یہ ایک نجی ادارہ ہے تو پھر ہمارے حکمران اس کے دفاع کے بارے میں اتنے حسّاس کیوں ہیں؟ کیا آج تک کبھی کسی حکمران نے اور خاص طور پر کسی فوجی طالع آزما نے کسی پرائیویٹ ادارے کے لیے یوں سینہ تان کر دفاع کی جرأت دکھائی ہے؟ ان کی یہی سرگرمی بے شمار اندیشوں کو جنم دیتی ہے' حالانکہ خود آغا خان فاؤنڈیشن کی دستاویزات' عملی اعلانات اور اس پر تضادات کی بھرمار سے ہمارے حکمرانوں کی وکالت کا سارا کھیل چوپٹ ہوتا نظر آتا ہے۔

آغا خان بورڈ کے افسراعلیٰ شمس قاسم لاکھا ایک ٹیلی وژن پروگرام میں بڑے پرسکون اور دلیل کے بغیر بات کرتے دیکھے گئے' جب کہ وزیرتعلیم جنرل جاوید اشرف سطحی الزام تراشی میں لپٹے اور غصے کی حالت میں گرجتے پائے گئے۔ جنرل جاوید اشرف نے ۳۰ مارچ ۲۰۰۵ء کو پاکستان کے تمام ارکان قومی اسمبلی وارکان سینیٹ کو ایک خط (نمبر ای ایم ۲۰۰۵ء) بھیجا' عنوان تھا: ''آغا خان یونی ورسٹی ایگزامی نیشن بورڈ' اے فیکٹ شیٹ''۔ یہ فیکٹ شیٹ (حقائق نامہ) کیا تھی؟ تین صفحے کا تضادات سے بھرپور اور حقائق سے کوسوں دُور بیان اور اس کے ساتھ جنرل مشرف صاحب کا منظور کردہ آرڈی ننس' پھر آغا خان فاؤنڈیشن کے شمس لاکھا کا بیان بھی ہر رکن اسمبلی کے ہاتھ میں تھمایا گیا۔ اس میں پیش کردہ استدلال اپنے کیس کا دفاع کرنے سے قاصر' اور محض سیاسی پروپیگنڈا تھا۔

الماری کی زینت بننے والے دستور پاکستان کے مطابق جو صوبے اپنے دائرہ اختیار میں تعلیمی نظم وضبط کے لیے خودمختار ہیں' انھیں جنرل جاوید اشرف کا یہی ''فیکٹ شیٹ'' والا وثیقہ بھیج کر دباؤ میں لانے اور جکڑنے کی کوشش کی گئی۔ پنجاب کی حکومت نے' ارکان اسمبلی کے نام بھیجے جانے والے اس وثیقے کی ہوبہو نقل صوبہ بھر کے اسکولوں اور کالجوں کے پرنسپلوں کو ارسال کردی۔ کیا حکومت پنجاب بھی ایک ایسی نجی این جی او کی کاروباری مہم میں 'عوامی رابطہ کاری' کی حصہ دار بن چکی ہے؟ وہ این جی او جسے اپنا بورڈ چلانے کے لیے مکمل آزادی حاصل ہے' جس کا ''تصورِ قومی نصاب'' بالکل جدا ہے' جس کے اقدامات کو پاکستانی عدالتوں میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا' جس کی فیسوں کا تعین اس کی 'نیک نیتی' پر چھوڑ دیا گیا ہے' اور جس کے لیے پورا وطن عزیز کھلی چراگاہ ہے۔

وفاقی وزیرتعلیم یہ کہتے ہیں کہ: ''آغا خان بورڈ تو 'او' لیول، 'اے' لیول کے لیے ہے' تاکہ زرمبادلہ بچایا جائے۔ پھر یہ بورڈ پاکستان کا قومی نصاب ہی پڑھائے گا''۔ سوال کیا گیا: ''جناب' پاکستان میں تو 'او' لیول، 'اے' لیول کا نہ کوئی نصاب ہے اور نہ نظام۔ پھر بھلا یہ کس طرح قومی نصاب کے دائرے میں آئے گا؟'' جواب حقارت آمیز خاموشی کی صورت میں ملا۔ پھر وزیرصاحب نے کہا: ''پاکستان کا تعلیمی معیار اور یہ بورڈ بڑے خراب ہوچکے ہیں''۔ سوال یہ ہے کہ کیا وزیرتعلیم نے پاکستان کے قومی اور سرکاری نظام تعلیم کو درست کرنے کے لیے وزارت کا قلم دان سنبھالا ہے' یا خرابی دیکھ کر اسے ٹھکانے لگانے' بیچ دینے اور قومی زندگی سے غیرمتعلق بنانے کا بیڑا اٹھایا ہے؟

دوسری طرف او/اے لیول سے مقتدر طبقے کا عشق خاصّے کی چیز ہے۔ گذشتہ اڑھائی برسوں کے دوران سینیٹ اور قومی اسمبلی میں کم از کم سات مرتبہ وزارت ہاے تعلیم' خزانہ اور داخلہ سے یہ سوال پوچھا گیا کہ: ''پاکستان سے کتنے طلبہ و طالبات او/اے لیول کا امتحان دے رہے ہیں؟ ان کے نتائج کا تناسب کیا رہا؟ امتحان کی رجسٹریشن' امتحان کے انعقاد کی مد میں گذشتہ تین برسوں کے دوران (سال بہ سال) کتنا زرمبادلہ خرچ ہوا؟''--- متعلقہ وزارتوں نے پہلے تو جواب ہی نہیں دیا' اور جب بار بار یاد دہانیوں سے مجبور ہوکر جواب دیا تو کہا: ''ہمارے پاس معلومات نہیں''۔ پھر پوچھا گیا تو جواب ملا: ''چونکہ او/اے لیول پاکستانی نظام تعلیم نہیں ہے' اس لیے جواب نہیں دیا جاسکتا''۔ یہ کیسی گڈ گورننس اور شاندار نظامِ حکومت ہے کہ جس کی آنکھوں کے سامنے قوم کے اربوں روپے پاکستان سے باہر جا رہے ہیں' اس کے ہزاروں بچے بچیاں بیرون پاکستان امتحان دے رہے ہیں' مگر حکومت کی کسی ایجنسی' کسی ادارے یا وزارت کے پاس اس کا ریکارڈ تک نہیں ہے۔ اور لطف یہ کہ اسے ایک قابلِ رشک اور قابلِ تقلید نظام قرار دے کر کہا جارہا ہے کہ یہی نظام آغا خان بورڈ لائے گا۔ حالانکہ آغا خان بورڈ بھی ایک بیرونی ایجنسی کا سودا کار نمایندہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امتحانی بورڈ کے کرتا دھرتا اور نصابی ڈھانچے کے نگران پاکستانی نہیں بلکہ برطانوی ہی مقرر کیے گئے ہیں۔

آغا خان بورڈ کی طرف سے پاکستان کے ''قومی نصاب کی پابندی'' کا پے در پے اعلان' ہاتھی کے دکھاوے کے دانتوں کے سوا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ اس میں بڑا بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر نصاب پاکستان کا ہونا ہے تو محض ایک مشینی انداز سے امتحان لینے کی زحمت کرنے میں آغا خان یونی ورسٹی کو کیوں اتنی دل چسپی ہے؟ اور اتنے سے کام کے لیے یو ایس ایڈ کی کروڑوں ڈالر کی امداد' امریکی سفیر کی بے چینی' اور حکومتی عقابوں کا اضطراب کیا صرف اور صرف امتحان لینے دینے کے لیے ہے؟ نہیں! یو ایس ایڈ کی ویب سائٹس اور آغا خان ایجوکیشن سروس' آغا خان یونی ورسٹی اور اس کا بورڈ تصویر کا دوسرا منظر پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر آغا خان بورڈ نے ۱۱'۱۲ اگست ۲۰۰۳ء کو نصابِ تعلیم پر گول میز کانفرنس منعقد کی' جس میں نصابی تبدیلیوں پر غور کیا گیا۔ پھر اسی تسلسل میں مارچ ۲۰۰۴ء کے دوران مزید اجلاس کیے۔ اس کے بعد جولائی اور ستمبر ۲۰۰۴ء کو اسی نوعیت کے

بھرپور اجلاس میں نصابی جائزے کے لیے ۱۸ پینل بنائے گئے جنھوں نے مختلف سطحوں پر سامنے آنے والے ردعمل کا جائزہ لیا۔ صرف اس مشق کے لیے ۱۳ لاکھ امریکی ڈالر صرف کیے گئے۔

پاکستان کیا، دنیا کا کوئی بھی ملک اپنے نظام تعلیم سے مطمئن نہیں، لیکن وہ ملک اسے بیچ دینے یا اکھاڑ پھینکنے کے بجاے اسے بہتر بنانے کی سبیل سوچتے ہیں۔ مگر یہاں نہ صرف اس کی مذمت کی جارہی ہے بلکہ ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کا بندوبست بھی کیا گیا ہے۔ آج سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں پاکستان کے عام اسکولوں اور دیہی علاقوں کے ذہین اور محنتی طالب علموں کے جو عظیم کارنامے نظر آتے ہیں، اور پھر دفاع وطن کے لیے جوہری و میزائل ٹکنالوجی میں جو پیش رفت دکھائی دیتی ہے، بالیقین کہا جاسکتا ہے کہ اس عظیم قومی ذہانت و محنت میں آپ کو کسی عیسائی مشنری تعلیمی ادارے، او لیول گروپ یا اعلیٰ طبقاتی انگلش میڈیم کا کوئی رول ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گا۔ میڈیکل اور زراعت میں انھی کم مایہ اور غریب مگر ملک و قوم کے وفادار سائنس دانوں کی عظمت کے نقوش پر آج مسلم دنیا خصوصاً ملایشیا، ترکی اور مصر کے سائنس دان بھی رشک کرتے ہیں۔ پھر بھی یہی بے چارے مذمت اور تحقیر کے حق دار ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ پاکستان کے قومی نظام تعلیم کے جسدِ ملّی سے روح محمدؐ کی بچی کھچی رمق کو نچوڑ کر رکھ دینا امریکی سامراج کا ہدف ہے۔ اس کے لیے انھوں نے پاکستان کی وزارت تعلیم کو بے دست و پا بنا کر، ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے اور ہر ٹکڑے پر چار چار عالمی این جی اوز کو بٹھا دیا ہے جن کی وفاداریوں کا مرکز پاکستان میں نہیں بلکہ سات سمندر پار ہے۔ ان این جی اوز کی حکمرانی وزارت ہاے تعلیم اور ادارہ ہاے نصابیات سے لے کر اساتذہ کی تربیت اور انھیں دفتری اور انتظامی گُر سکھانے تک پھیلی ہوئی ہے۔ بڑے انتظامی عہدوں پر لاکھوں روپوں کی تنخواہوں والے باس بٹھائے اور سابق اعلیٰ فوجی افسران مسلط کیے جارہے ہیں، جنھیں نہ تعلیم کے رموز سے شناسائی ہے اور نہ اجتماعی زندگی کے پیچ در پیچ سلسلوں سے نبرد آزما ہونے کی کوئی تربیت حاصل ہے۔ البتہ وہ اُوپر سے ملنے والے حکم کو یونٹی آف کمانڈ کے اصول پر نچلے عملے پر اندھا دھند نافذ کرنے کا پیشہ ورانہ تجربہ ضرور رکھتے ہیں۔ غالباً ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' میں امریکا کو ایسے ہی فدوی مگر کروفر کے حامل افراد کار کی ضرورت ہے۔

روزنامہ ڈیلی ٹائمز' لاہور (۲۰ اپریل ۲۰۰۵ء) کے واشنگٹن میں متعین نمایندے خالد حسن نے رپورٹ دی کہ: ''ایجوکیشن ان اسلامک ورلڈ' ٹاپ یو ایس پریارٹی'' (یعنی: مسلم دنیا میں تعلیم: امریکا کی ترجیح اول)۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ: ''امریکا نے طے کیا ہے [کہ مسلم دنیا کی] وزارت ہاے تعلیم کو فنی معاونت کے لیے مادی وسائل فراہم کیے جائیں گے''۔ الزبتھ چینی پرنسپل ڈپٹی اسسٹنٹ سیکرٹری نے یہ بیان امریکی سینیٹ کی خارجہ تعلقات کی کمیٹی کے سامنے' تعلیم اور دہشت گردی کی مناسبت سے دیا۔ کمیٹی کے اجلاس کی صدارت سینیٹر رچرڈ لوگر نے کی جن کے سامنے اسلام آباد سے انٹرنیشنل کرائسز گروپ (ICG) کی ڈاکٹر ثمینہ احمد' عالمی بنک کے سابق اعلیٰ عہدے دار شاہد جاوید برکی' اُردن کے وزیر مال ڈاکٹر باسیم' امریکی حکومت کے متعدد اعلیٰ افسروں اور یو ایس ایڈ کے جیمز کنڈر نے بیانات دیے۔ جیمز کنڈر نے کہا: ''امریکا کو [مسلم دنیا کے] نوجوانوں تک پہنچنا چاہیے''۔ ثمینہ احمد نے کہا: ''نائن الیون کے بعد بڑی خطیر مالی معاونت کے باوجود پاکستان کے تعلیمی ماحول کو خاطرخواہ طریقے سے متاثر نہیں کیا جاسکا' جس کا ایک سبب پاکستان کی غیرمؤثر تعلیمی بیوروکریسی ہے اور دوسرا یہ کہ پاکستانی حکومت مذہبی عناصر کے دباؤ کے سامنے قدم نہیں جماپاتی جنھوں نے پاکستان کے نصاب تعلیم کو یرغمال بنا رکھا ہے''--- یہ سب چیزیں اُس ایجنڈے کا حصہ ہیں' جن کے تحت پاکستان کے پورے تعلیمی منظرنامے کو تبدیل کرنے کی سرگرمی عروج پر ہے۔

مخلوط تعلیم کو رواج دینے میں ذوق شوق' تربیت اساتذہ کے بے شمار قومی ادارے موجود ہونے کے باوجود امریکا اور آغا خان فاؤنڈیشن کی مدد کا حصول' نصابات کو عدم مرکزیت کی دلدل میں دھکیلنا' اعلیٰ تعلیمی ڈھانچے کو غیرمؤثر اور کاروباری نشیب کی طرف دھکیل دینا' عورتوں اور طالبات کی تعلیم و تربیت اور مخصوص ذہن سازی پر خصوصی ارتکاز' میڈیا کی آزاد روی بلکہ آوارہ خرامی کی سرپرستی اور اس کام کے لیے مخصوص این جی اوز کو کھل کھیلنے کا سامان مہیا کرنا--- یہ سب چیزیں نائن الیون کمیشن کی سفارشات کے بعد برق رفتاری سے مسلم دنیا' بالخصوص پاکستان کے تعلیمی نظام کو پامال کر رہی ہیں۔ اگر معاملات کی یہی رفتار رہی اور اہل سیاست اور اہل اقتدار نے اپنی آنکھوں پر بدستور ذاتی مفادات کی پٹی باندھے رکھی تو اب سے چار سال بعد کا پاکستان' نہ

اقبال کا پاکستان ہوگا اور نہ قائداعظم کا پاکستان۔ ایوب خاں کی طرح آج کے حکمران بھی ماضی کی کتابوں میں بند پڑے ہوں گے، تاہم وہ مجبور و مقہور پاکستان این جی اوز کا پاکستان ہوگا۔ جہاں بظاہر چہرے پاکستانیوں کے ہوں گے لیکن، دل اور دماغ عالمی این جی اوز مافیا کی گرفت میں ہوں گے۔

اس ساری صورت حال میں سپریم کمانڈر صدر بش اپنے مددگار کمانڈروں کی خدمات کا اعتراف کرنے میں بخل سے کام نہیں لے رہے۔ C.Span ٹیلی وژن نیٹ ورک پر ۳۱ جنوری ۲۰۰۵ء کی شام انٹرویو دیتے ہوئے انھوں نے کہا: ''جنرل مشرف نے عظیم قائدانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے اور ہمارے کسی دباؤ کے بغیر ہی درست سمت میں چلنے کے لیے انھوں نے متعدد راستے اختیار کیے ہیں۔ بہت سے مواقع پر، میں نے جنرل مشرف سے بات چیت کے دوران یاد دلایا کہ اپنی پالیسیوں میں تبدیلی کے عمل میں وہ خاص طور پر پاکستان کی تعلیمی پالیسی کو تبدیل کریں اور اس تعلیمی پروپیگنڈے کا خاتمہ کریں جو ان کے اسکولوں میں پڑھایا جاتا ہے'' (یکم فروری ۲۰۰۵ء، قومی اخبارات)۔ سامراج کی ایک خوبی کا اعتراف کرنا چاہیے، اور وہ یہ کہ جب کوئی فرد اُن کے مقاصد کی تکمیل کے لیے اُن کا مددگار بنتا ہے، تو وہ اس کی اتنی تعریف کرتے ہیں کہ خود اپنی قوم کے خلاف گواہی دینے والے کو شرمندگی سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ لیکن ایسا کام اُس وقت تک ہوتا ہے جب تک کہ آپریشن مکمل نہیں ہوتا۔ سرزمین ہند میں گوری اقوام نے بار بار یہی ڈراما کیا تھا اور اس صدی میں تو اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

''دہشت گردی کے خلاف مہم'' تو ایک بہانہ ہے۔ دراصل یہ جنگ اسلام اور قرآن کے خلاف ہے، اسلام کے دیے ہوئے خاندانی نظام اور سیرت محمدیؐ کے خلاف ہے اور اس سے بڑھ کر مسلم اُمت کو ایک کم تر کمیونٹی بنانے کا شیطانی منصوبہ ہے۔ اس کام کے لیے تعلیم کا میدان اوّلیت کا حامل ہے۔ دشمن جانتا ہے کہ بقول اکبرالٰہ آبادی مرحوم:

دل بدل جائیں گے، تعلیم بدل جانے سے